© rasailojaraid.com

عالمِ اسلام

لیبیا میں اسلام کا روشن مستقبل

(جناب خلیل حامدی صاحب)

لیبیا کے صدر کرنل قذافی نے پاکستان کی تائید و حمایت اور بھارت کی جارحیت کے خلاف جو بھرپور آواز بلند کی ہے اُس نے پاکستانی عوام کے دلوں پر بے حد اثر کیا ہے۔ موصوف اس سے پہلے فلپائن کے مظلوم مسلمانوں کی داد رسی کا جو عظیم کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں وہ دنیا بھر کے مسلمانوں سے عام طور پر اور جنوب ایشیا کے مسلمانوں سے خاص طور پر غیر معمولی داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ مخلص دوست کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ پریشاں حالی اور درماندگی میں کام آئے۔ راقم کو حالیہ جنگ سے کچھ عرصہ پیشتر لیبیا جانے کا موقع ملا ہے اور لیبیا کے بعض سرکاری اور عوامی پہلوؤں کو مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور یہ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی کہ لیبیا کی حکومت اور لیبی عوام دونوں پاکستان کے حق میں نہایت محبت آمیز اور والہانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اِن جذبات کی تہ میں دو بڑے عوامل کارفرما ہیں۔ ایک لیبی قوم کی دینداری اور اسلام سے گہری وابستگی جو اُسے تاریخی ورثے میں ملی ہے۔ اور دوسرے اُن پاکستانیوں کا حُسنِ کردار جو چند سال پیشتر وہاں ملازمت کے لیے گئے ہیں اور انہوں نے اپنے اچھے اخلاق، احساسِ ذمہ داری اور محنت و جانفشانی کے قابلِ قدر نمونے قائم کیے ہیں۔ اس امر کا اعتراف خود لیبیا کے متعدد دوستوں نے ہم سے کیا ہے۔ بہرحال یہ امر وجہِ اطمینان اور باعثِ مسرت ہے کہ لیبیا سرکاری اور عوامی سطح پر پاکستان کا مخلص بھائی، سچا دوست اور جری مؤید ہے۔

لیبیا کا معاشرہ موجودہ مسلمان معاشروں میں سے ایک اچھا معاشرہ ہے۔ اور اس کی اچھائی کی قدر و قیمت نگاہ میں اس امر سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ اس کے عین جوار میں دو ایسے معاشرے موجود ہیں جن میں فساد، اباحیت اور اخلاق باختگی خوفناک حد تک پھیل چکی ہے۔ ایک مصری معاشرہ اور دوسرا تونسی معاشرہ۔ اور یہ بات معجزے سے کم نہیں کہ ان دونوں معاشروں کے اندر گھرا ہوا لیبی معاشرہ اپنے اندر (نئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمت اور رجحان رکھتا رہا ہے کہ پڑوسی معاشروں کی مسموم فضا سے بہت بڑی حد تک متاثر نہیں ہُوا حالانکہ زبان، ثقافت اور تاریخ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان تینوں معاشروں میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ لیبی معاشرے کو یہ منفرد حیثیت اور امتیازی خصوصیت بخشنے والے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں۔ مگر سب سے بڑا اور کارگر سبب یہ ہے کہ وہاں سنوسی تحریک نے مدتِ دراز تک دعوت و جہاد کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ چنانچہ اس تحریک نے لیبیا کے باشندوں کے اندر اسلامی روح اور اسلامی اقدار کو غیر معمولی فروغ دیا۔ ان کے اندر دین سے لگن پیدا کی، سہل انگاری اور کم کوشی کے بجائے جفاکشی کو جنم دیا، استکبار کے بجائے درویش منشی کو اُجاگر کیا، عزت و آبرو کی زندگی سے بہرہ مند ہونے کی خاطر جاں سپاری کا ذوق اُبھارا اور فکر و نظر کے اندر محدود علاقائی تصورات کی جگہ آفاقی انداز اور اسلامی اخوت کو سمویا۔ چنانچہ عوامی زندگی پر اس تحریک کا چڑھایا ہُوا رنگ اِس قدر گہرا تھا کہ اُس کے نشانات آج تک دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ لیبی مسلمان آج بھی نہ عرب قومیت کے نعرے پر کان دھرتا ہے اور نہ افریقی عصبیت کے واویلے کو اہمیت دیتا ہے۔

سنوسی تحریک کے بانی محمد بن علی سنوسی (پیدائش ۱۷۸۷ء، وفات ۱۸۵۹ء) ہیں جو سنوسیٔ اعظم کے لقب سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اس تحریک کی بنیاد رکھی اور ایک طرف اُسے اصلاح و تربیت اور تعلیم و ارشاد کا ذریعہ بنایا اور دوسری طرف اس کے اندر جہاد اور عسکریت کی رُوح پھونکی اور جب فرانسیسی سامراج نے شمالی افریقہ میں قدم رکھنے شروع کیے تو اُس کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد مہدی سنوسی (پیدائش ۱۸۴۴ء، وفات ۱۹۰۲ء) نے مسند خلافت سنبھالی اور تحریک کو مزید آگے بڑھایا اور اُس کے تحت باقاعدہ ایک ریاست قائم کرلی اور اس کے اصلاحی پہلو کو بھی نمایاں ترقی دی۔ سنوسی اعظم کے عہد میں سنوسی زاویوں کی تعداد ۲۲ تھی جو محمد مہدی کے زمانے میں ۱۴۶ تک ہوگئی۔ محمد مہدی کی وفات کے وقت اُن کے صاحبزادے محمد ادریس سنوسی (پیدائش ۱۸۹۰ء) کی عمر کم تھی۔ لہٰذا محمد مہدی نے خلافت اپنے بھتیجے احمد شریف سنوسی (پیدائش ۱۸۷۵ء، وفات ۱۹۳۳ء) کو اس شرط پر دی کہ جب ان کا صاحبزادہ محمد ادریس سنوسی سنِّ رُشد کو پوری طرح پہنچ جائے گا اور زیورِ علم اور غازۂ تربیت سے آراستہ ہو جائے گا تو مسندِ خلافت اُسے سونپ دی جائے گی۔ احمد شریف سنوسی نے اطالوی سامراج کے خلاف غیر معمولی جہاد کیا۔ اس کے مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے امیر شکیب ارسلان کی کتاب حاضر العالم الاسلامی کا مطالعہ کیجیے۔ اس جہاد میں محمد ادریس سنوسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ شریک رہے۔ احمد شریف کی وفات کے بعد زمامِ کار محمد ادریس کے ہاتھ میں آگئی۔ محمد ادریس کا ابتدائی عہد تو بلاشبہ سنوسی تحریک کی روح سے پوری طرح لبریز رہا مگر بعد میں ان میں اقتدار کی شان و شوکت آگئی۔ اور دسمبر ۱۹۵۱ء سے تو انہوں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور یوں تحریک دعوت و جہاد بادشاہت میں تبدیل ہو گئی اور پھر لیبیا کے اندر پٹرول کی دریافت نے بادشاہی نظام میں عیش و عشرت کی رنگ آمیزی کر دی۔ یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو محمد ادریس کی بادشاہت کا تختہ الٹ دیا گیا اور فوجی حکومت برسرِ اقتدار آگئی جس کے موجودہ صدر کرنل قذافی ہیں۔

سنوسیوں کے علاوہ لیبیا کے اندر اور بھی مجاہدینِ اسلام کا گروہِ کثیر گزرا ہے جس نے مردانگی اور سرافگندگی کے حیرت انگیز جوہر دکھائے ہیں۔ ان میں عمر المختار سرِ فہرست ہے۔ اِس بوڑھے مجاہد کو اطالوی سفاکوں نے پھانسی کی سزا دی تھی۔ طرابلس کے قدیم قصر کی آغوش میں "شہداء چوک" (میدان الشہداء) آج بھی اہلِ وطن کو ماضی قریب کی یہ حکایت سُنا رہا ہے کہ یہاں ۱۳ مسلمان مجاہدوں کو اٹلی کے سامراجیوں نے ایک ہی وقت میں پھانسی پر لٹکایا تھا۔ لیبی قوم کو اپنے بزرگوں کی جانفشانیاں اب بھی یاد ہیں۔ ایک لیبی دوست نے ہمیں باتوں باتوں میں یہ کہا کہ "ہمارے ہاں یہ تصورِ عام ہے کہ لیبیا کی سرزمین میں شہدائے اسلام کا خون اتنی وافر مقدار میں موجود ہے کہ اِس زمین میں ابھی تک اُس کی گرمی موجود ہے۔ اور اِس کی بدولت یہاں کسی حکمران کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس خون سے غداری کا رویہ اختیار کرے۔"

موجودہ انقلابی حکومت نے بعض قابلِ ستائش اصلاحات کی ہیں۔ اِن اصلاحات کو اُس کے مخالفین بھی سراہ رہے ہیں۔ مثلاً شراب پورے ملک میں ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ ہمارے ایک دوست نے جو طرابلس میں ایک اسلامی مکتبے کے مالک ہیں بتایا کہ لیبیا کے اندر گزشتہ حکومت کے عہد میں متعدد شراب خانے قائم تھے۔ اور اس امر کا شدید خطرہ پیدا ہو چکا تھا کہ نژادِ نو اُم الخبائث کی لپیٹ میں آجائے گی۔ اور روایاتی معاشرے کی چولیں ہل جائیں گی۔ موجودہ حکومت نے شراب پر پوری پابندی عائد کر دی ہے۔ اور اب پورے ملک میں کسی جگہ بھی آپ دخترِ رز کا نشان نہیں پائیں گے۔ مے فروشی اور میخواری دونوں جرم قابلِ دست اندازیٔ پولیس قرار دے چکے ہیں۔ حکومت کے اس اقدام پر ہم نے بالعموم لوگوں کو خوش و خرم پایا۔ انقلابی حکومت کا دوسرا بڑا دُور رس اقدام عربی زبان کا احیاء ہے۔ حکومت نے عربی زبان کو قومی زبان کی حیثیت سے لازم قرار دے دیا ہے۔ نہ صرف سرکاری اداروں کا پورا کاروبار عربی زبان میں سرانجام دیا جا رہا ہے بلکہ پورے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے پر عربی زبان کو برتری عطا کر دی گئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ اہتمام بطورِ خاص کیا جا رہا ہے کہ فصیح عربی کو رائج کیا جائے اور اجنبی الفاظ جو جوں کے توں عربی میں داخل ہو گئے تھے اُن کو چھانٹ کر کے پاکیزہ اور اصل الفاظ کو استعمال کیا جائے۔ لیبیا کے وزیرِ اطلاعات جناب ابو بصیر صاحب نے ہمیں بتایا کہ کرنل قذافی فصیح الفاظ کے استعمال میں اس حد تک شدت برتتے ہیں کہ اگر ہم اُن کے سامنے ریڈیو کو راڈیو کہیں تو بگڑ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم ریڈیو کو فصیح انداز میں الاذاعۃ المسموعۃ کہتے ہیں اور ٹیلی ویژن کو مصریوں کی طرح تلفزیون کہنے کے بجائے الاذاعۃ المرئیۃ کہتے ہیں۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جو دنیائے عرب کی علمی اور ادبی اکیڈیمیوں نے وضع کی ہیں۔ ہم جب طرابلس یا بنغازی کی سڑکوں سے گزرتے تھے تو دکانوں اور اداروں کے بورڈ پڑھ کر بھی احساس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فصیح اور پاکیزہ عربی زبان کے زندہ کرنے کا اہتمام فرما دیا ہے۔ ایک سرکاری ذریعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کرنل قذافی نے اسلامی قانون رائج کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اور اس امر پر کافی غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ متعدد احباب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اب سرکاری سطح پر یہ بھی سوچا جا رہا ہے کہ بنکوں کا نظام غیر سودی بنیادوں پر قائم کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ان تمام امکانات کا عنقریب جائزہ لیا جائے گا جو اس خیال کو حقیقت میں ڈھال سکتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت نے کلیسا ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ کلیسا اطالوی دور میں بلا ضرورت تعمیر کیے گئے تھے اور ان کو عبادت کے بجائے دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ ان میں سے اکثر و بیشتر عمارتیں خالی پڑی ہیں۔ اب ان کے اندر ثقافتی مرکز قائم کیے جائیں گے۔ طرابلس کے ایک کلیسا کی عمارت میں ہم نے دیکھا کہ وہاں اب مؤتمر دعوتِ اسلامیہ کا دفتر قائم کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت نے یہ اقدام سوچ سمجھ کر کیا ہو گا۔ اور اس کے نتائج کی پوری ذمہ داری اٹھانے کے لیے وہ تیار ہو گی۔ اسی طرح ہمارے وہاں پہنچنے کے صرف ۵ روز قبل حکومت نے ایک امریکی اسپتال کو جو غالباً مشنری ادارے کے تحت چل رہا تھا اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور مشنری ادارے کو اس تکلیف کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔ یہ بات تو اب پرانی ہو چکی ہے کہ انقلابی حکومت نے ہویلس کے امریکی اڈے کو ختم کر دیا ہے اور اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ اس اڈے کا نام عقبہ بن نافع فاتح افریقیہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ طرابلس کے بڑے بڑے بازاروں میں مصرف الامۃ (نیشنل بنک) کا جو بورڈ نظر آتا ہے یہ کچھ عرصہ پیشتر اٹلی کا بنک تھا۔ حکومت نے غیر ملکی بنک کو ملکی بنا دیا ہے۔ اسی طرح مصرف الوحدۃ (وحدت بنک) بھی بنک آف انگلینڈ کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ یوں انقلابی حکومت نے جن اداروں کو سرکاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحویل میں لیا ہے ان میں غیر ملکی بنک بھی شامل ہیں۔

کچھ اور چیزیں بھی سرکاری انتظام میں لے لی گئی ہیں۔ مثلاً مواصلات۔ چنانچہ شہر کے اندر پرائیویٹ ٹیکسیوں کے ساتھ سرکاری ٹیکسیاں بھی چل رہی ہیں جن کا کرایہ بہت کم ہے۔ بعض عام استعمال کی اشیاء کو بھی سرکاری انتظام میں لینے کا تجربہ کیا گیا ہے۔ مثلاً آٹے کی سپلائی۔ مگر ہمیں لیبی دوستوں نے بتایا کہ یہ تجربہ کامیاب نہیں رہا۔ انشورنس کمپنیاں بھی اب سرکاری انتظام میں چل رہی ہیں۔ پٹرول کی آمدنی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا ۵۱ فیصد حصہ عوامی فلاح و بہبود کے لیے مخصوص کیا گیا ہے اور ۴۹ فیصد حصہ سرکاری مصارف کے لیے۔ بازاروں میں چل پھر کر ہمیں اندازہ ہوا کہ سعودی عرب، کویت اور تیل کے دوسرے ملکوں میں اشیاء کی جو قیمتیں ہیں ان کی نسبت یہاں کی قیمتیں زیادہ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے یہ قیمتیں زیادہ نہیں تھیں۔ اب کسٹم ڈیوٹی اور ٹیکس کے نئے ضابطوں نے قیمتوں پر اثر ڈالا ہے۔

ہمیں لیبیا کے دارالحکومت طرابلس (لیبیا کے شہر طرابلس کو طرابلس الغرب کہا جاتا ہے اور لبنان کے طرابلس کو طرابلس الشام) اور لیبیا کے دوسرے بڑے شہر بنغازی میں چند روز گزارنے کا موقع ملا ہے۔ عام آدمیوں کو بھی جی بھر کر دیکھا اور سرکاری آدمیوں سے ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔ بار بار ہماری زبانوں پر یہ فقرہ آتا تھا کہ لیبیا کے لوگ بڑے بھلے مانس اور شریف ہیں۔ ان میں کبر و غرور نہیں ہے۔ نمائش اور ریا کا جذبہ بہت کم ہے۔ جس نے سعودی عرب اور کویت دیکھا ہو وہ لیبیا کو دیکھ کر فوراً یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ لیبیا اس لحاظ سے ان دونوں سے مختلف ہے کہ لباس کا ٹھاٹھ اور بڑی بڑی موٹروں کی چکا چوند لیبیا میں نہیں ملتی۔ راقم کے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہاں کے عوام کی فطری سادگی اور طبعی اعتدال ہے اور انہوں نے اپنے ماضی کو فراموش نہیں کیا ہے۔

طرابلس لیبیا کا معیاری شہر کہا جا سکتا ہے۔ وہاں بازاروں میں آپ کو بکثرت ایسی نوجوان دوشیزائیں نظر آئیں گی جنہوں نے پرانی طرز کی سفید چادر اوڑھ رکھی ہو گی اور چہرہ مکمل ڈھانک رکھا ہو گا اور صرف ایک آنکھ کھول رکھی ہو گی۔ پردے کی یہ چادر یہاں کی انتہائی قدیم روایات کا ایک حصہ ہے اور ابھی تک یہاں کے مسلمانوں نے اسے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ ہم بار بار حیران رہ کر دوستوں سے پوچھتے تھے کہ مغربی تہذیب کی یلغار کے سامنے یہ چادر کیسے قائم رہ گئی اور کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ مگر ہمارے دوست بہلول نشنوس اور رجب طرابلیشی بڑی بے نیازی سے ہمیں یہ جواب دے دیتے کہ یہاں کی لڑکیاں اس چادر سے بیزار نہیں ہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر نازاں ہیں۔ ہمارا مشورہ یہ تھا کہ چادر کو برقع کی شکل دے دی جائے تاکہ راہِ اعتدال نکل آئے مگر وہ اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ انہوں نے بتایا کہ شادی کے بعد تو لڑکی چادر بڑے ذوق وشوق سے استعمال کرتی ہے۔ ہم نے ایسی عورتوں کو بھی دیکھا جو اسکرٹ پہنے ہوئے تھیں اور بعض نے اسکرٹ پہن کر چہرے پر باریک نقاب ڈال رکھی تھی۔ ہم نے پوچھا کہ کیا یہ بھی لیبیا کے نمونے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر تو مصری یا تونسی ہیں اور کچھ لیبیا کی بھی ہیں۔

آج تک صرف سعودی عرب کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہاں چوری نہیں ہوتی۔ سعودی قانون کی سختی اور انتظامیہ کی دیانتداری نے فی الواقع سعودی عرب میں چوری کو معدوم کر رکھا ہے۔ مگر لیبیا میں جاکر بھی ہمیں یہ انکشاف ہوا کہ یہاں بھی چوری بہت شاذ و نادر ہوتی ہے۔ لیبی ذوق جرائم سے خاصا نفور ہے۔ ہمیں ایک پاکستانی دوست نے بتایا کہ ۵ سال تک وہ گھر کو تالا لگائے بغیر جاتے رہے، اور ان کی موٹر بھی تالے کے بغیر باہر کھڑی رہتی تھی مگر اس دوران چوری کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیبیا کے لوگ اِس لحاظ سے اپنے اندر بڑا سکون محسوس کرتے ہیں کہ وہ چوری اور ڈاکے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اُن پر بڑا انعام ہے۔ ورنہ ان جرائم نے تو پوری دنیا کا سکون غارت کر رکھا ہے۔ البتہ لیبی دوستوں سے معلوم ہوا کہ اب ہمسایہ ممالک کی آمد و رفت عام ہونے کے بعد چوری کی وارداتیں بھی سننے میں آرہی ہیں۔ لیبیا کے وزیرِ اطلاعات کے بھائی جناب عوض بوبصیر نے تو ہمیں چوری کے متعدد تازہ واقعات سنائے اور بتایا کہ یہ وارداتیں کرنے والے ایک ہمسایہ ملک کے چھوکرے ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ اب تک ہم نے امن و سکون کا جو دَور گزارا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اب لیبیا کے دروازے کھل جانے کے بعد وہ ہم سے چھن جائے گا۔ اس امر کا چرچا ہم نے بہت سُنا۔

لیبی معاشرے کے اندر جو خوبیاں نمایاں طور پر جھلکتی نظر آتی ہیں ان میں یہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ وہاں بددیانتی اور سماج دشمنی اور ملاوٹ اور کھوٹ نے ابھی راہ نہیں پائی۔ کاروبار میں بہت بڑی حد تک نظافت اور خلوص کی عملداری ہے۔ بلکہ ہم تو اس نتیجے پر پہنچے کہ لیبی باشندہ تجارت کے بارے میں انتہائی شان بے نیازی رکھتا ہے۔ ہم طرابلس میں شارع مامون الرشید پر ایک ہوٹل میں رہتے تھے۔ ہم دیکھتے کہ دکاندار مغرب سے پہلے ہی دکان بڑھا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں اور صبح بھی اطمینان سے آکر دکان کھولتے ہیں۔ البتہ رمضان المبارک میں وہ افطاری کے بعد بھی آکر دکانیں کھول لیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو رمضان میں خریداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے سہولت رہے ۔ بہر حال یہ کہنا ہی پڑے گا کہ لیبیا میں دنیا پرستی کی دوڑ نہیں پائی جاتی ۔ خال خال مثالیں اگر ملتی بھی ہیں تو النادر کالمعدوم ۔

ایک اور دلچسپ بات سنیے ۔ ہمیں بہلول شنوش صاحب نے بتایا کہ یہاں یہ اصول ہے کہ اگر ایک شخص کی موٹر سے کسی دوسرے شخص کی موٹر کو اس کی عدم موجودگی میں کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے ۔ تو جس کے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے وہ دوسرے شخص کو اطلاع کر دے گا ۔ اگر اُس نے موٹر پہچان لی تو وہ اُسے جا کر بالمشافہ خبر دے گا اور یا تو معافی مانگ لے گا یا خسارہ ادا کرے گا اور اگر وہ اُسے پہچانتا نہیں ہے تو موٹر کے اندر اپنا نام اور پتہ لکھ کر ڈال دے گا تاکہ دوسرا شخص از خود اس سے رابطہ قائم کرلے اور نقصان کی تلافی کی کوئی شکل تجویز کرلے ۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ کوئی ورکشاپ والا اُس وقت کسی موٹر کی مرمت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا جب تک موٹر والا اُسے پولیس کا اجازت نامہ نہ دے ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ موٹر کو نقصان کسی تصادم کی وجہ سے پہنچا ہو اور وہ پولیس کی گرفت سے بچنے کے لیے قبل از وقت اپنی موٹر کو مرمت کروا لینا چاہتا ہو ۔ ایک مسلمان معاشرے کے اندر ایسے اصولوں کا پایا جانا ایک معمولی بات ہونا چاہیے ۔ مگر عہد حاضر کے مسلمان معاشرے افسوس ہے کہ ان خوبیوں سے محروم ہو چکے ہیں ۔

لیبیا کے مفتی اعظم جناب طاہر احمد الزاوی سے ہماری تین چار مرتبہ ملاقات ہوئی ۔ موصوف کافی معمر ہیں اور صاحب تصنیف ہیں ۔ انہوں نے بڑی تواضع اور تپاک سے ہمارا خیر مقدم کیا ۔ اور جب بھی دارالافتاء میں ہم گئے انہوں نے بلا تاخیر ہمیں بُلا لیا اور شفقت و محبت سے ہماری باتیں سنیں ۔ موصوف کے بارے میں یہ تصور عام ہے کہ وہ اُونچے پایہ کے عالم دین بھی ہیں اور اعلیٰ پیمانے کے جری بھی ہیں ۔ لیبیا میں اُن کی بہترین اخلاقی ساکھ پائی جاتی ہے ۔ ایک اور دینی شخصیت وہاں مؤثر حیثیت کی حامل ہے ۔ یہ شیخ محمود صبحی ہیں ۔ مؤتمر دعوت اسلامیہ کے سربراہ ہیں اور عوامی عدالت کے جج ہیں ۔ یہ بھی انقلابی کونسل میں اور بالخصوص کرنل قذافی سے بہت قرب رکھتے ہیں ۔ ایسے افراد کا سربراہِ مملکت کے قریب رہنا اچھے مستقبل کی ضمانت دے سکتا ہے ۔ محمود صبحی صاحب نے ہم سے بہت تعاون کیا ۔ اور آخری روز ہمیں الوداع کرنے کے لیے ہوٹل تشریف لائے اور افطاری کے لیے طرابلس کی کھجوروں اور انجیر کا تحفہ دے گئے ۔

ہم نے رمضان المبارک کا آغاز طرابلس میں کیا ۔ اتفاق سے ہم شعبان کے آخری روز مغرب کے وقت وزیر اطلاعات کے دفتر میں گئے ۔ وہاں جا کر اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ لیبیا کے متعدد شہروں سے چاند ہو جانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اطلاع مل چکی ہے۔ وزیر اطلاعات، جن سے ہماری پہلے سے غائبانہ شناسائی تھی، انہوں نے بڑی بے تکلفی سے ہمیں اپنے پاس بٹھالیا اور خود دوسرے ملکوں کے ساتھ ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہو گئے تاکہ انہیں چاند ہو جانے کی اطلاع دے سکیں۔ ہماری موجودگی میں انہوں نے مصر کے مفتیٔ اعظم سے بات کی اور پھر امریکہ میں اپنے سفیر کو چاند کی اطلاع دی اور ان کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ فلپائن اور جاپان کے مسلمانوں اور انڈونیشیا اور ملائشیا کو بھی اس سے آگاہ کر دیں۔ انہوں نے بڑی دلچسپی اور شوق و ذوق سے یہ مہم سر کی۔ اس میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ لیبیا کے چاند پر انڈونیشیا اور ملائشیا کیونکر روزہ رکھ سکتا ہے۔ بلکہ لیبی حکومت کا رمضان المبارک کے ساتھ یہ انہماک اور اہتمام بلاشبہ قابلِ ستائش ہے۔ اس کے بعد موصوف ہمیں دارالافتاء میں لے آئے۔ جہاں باقاعدہ مفتیٔ اعظم کی سرپرستی میں ایک محفل منعقد ہوئی۔ محفل میں عوامی اور سرکاری نمائندوں کے علاوہ مختلف مسلمان ملکوں کے سفراء بھی شریک ہوئے۔ تلاوتِ قرآن پاک کے بعد مفتیٔ اعظم نے مختصر سی تقریر کی۔ اور اس کے بعد ثبوتِ ہلال اور افتتاحِ رمضان کا اعلان فرمایا۔ یہ تمام کارروائی ریڈیو سے نشر کی گئی۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کرنل قذافی گو بیرونی نظریات کے مخالف ہیں اور اسلامی جذبات رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے آج تک جو اصلاحات کی ہیں ان کی تہ میں اسلامی جذبہ ہی کارفرما معلوم ہوتا ہے۔ مگر انہوں نے ملک کے اندر اپنی پارٹی کا نام "عرب سوشلسٹ یونین" رکھا ہوا ہے۔ اس پارٹی کا منشور دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ لیبیا جس سوشلزم کا علمبردار ہے وہ اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہے۔ اور سوشلزم کا مقصد نظامِ عدل کا قیام ہے۔ اور اگر لیبیا کے اندر کسی گوشے میں طبقاتی تفاوت پایا جاتا ہو تو اُسے ختم کیا جائے گا۔ سیاسی طور پر بھی انقلابی حکومت نے صرف سوشلسٹ پارٹی کو ہی ملک کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت دی ہے۔ اور اس کے علاوہ وہاں کوئی اور پارٹی قائم نہیں ہے۔ شاید انقلابی حکومت آئندہ چل کر مزید ایسے اقدامات کرے جس سے اس خلا کو بھی پُر کیا جا سکتا ہو۔ متعدد مقامی لوگوں سے ہمیں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سرکاری حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔ وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ لیبیا کے صدر جذباتی حد تک اسلام سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ امید رکھتے ہیں کہ لیبیا میں اسلام کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ انہوں نے بعض پہلوؤں پر حکومت سے اختلاف کا اظہار بھی کیا مگر اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ ملک کو صحیح اسلامی راستے پر ڈالنے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کریں گے۔

© rasailojaraid.com